عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز، زارا اور ایزد۔ صالحہ، امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ، الھڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں، مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی، نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ، امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد، ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی
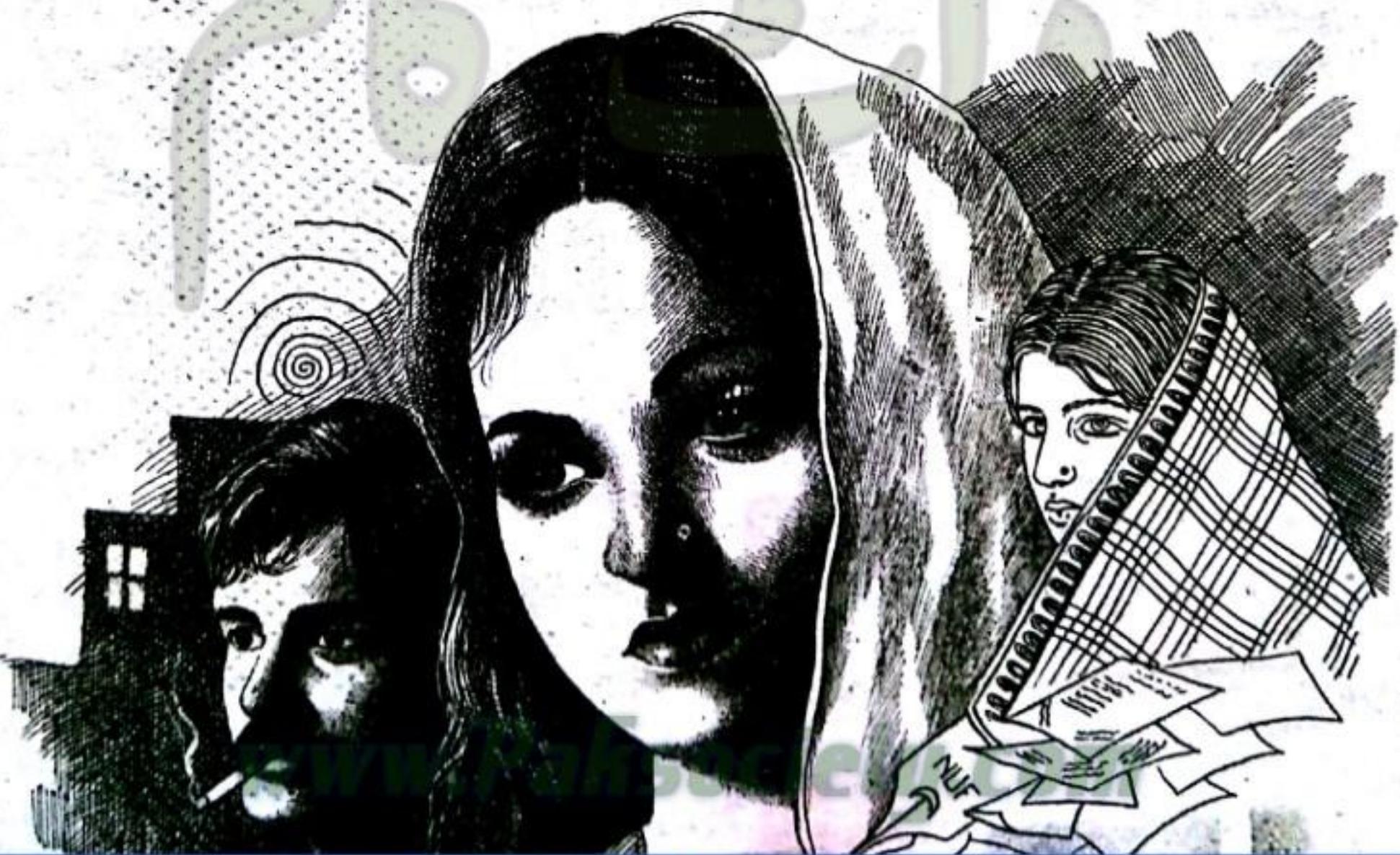
دوستی ہے۔ جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے، مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔
معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد، ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب، ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے، ان سے پیسے بٹور کر ہلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے، اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب، معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔
ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کر دیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کر پاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں، زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سر پٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے، مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ، گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز، ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے، مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔
عون، معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔
میم، ابیہا کو سیفی کے حوالے کر دیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے، جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کر لیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلا وجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً "سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے، مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد، ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔
وہ بتا دیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے، مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کر دیتی ہے، مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا، ثانیہ کو فون کر دیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم، حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے، مگر ثانیہ، ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں، مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے' مگر اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کر کے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورد نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

سفینہ بیگم اب تک یہ ہی سمجھ رہی ہیں کہ ابیہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے' مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ابیہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کر جاتی ہے۔ ارم کی بہن نیلم ایک اچھی لڑکی ہے' وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کر کے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کر رہا ہے۔ عزت کریں عون کی' اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی میں کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

رباب' سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ابیہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ابیہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جا کر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں' جس سے وہ گر جاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ابیہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آ کر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آ کر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ابیہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ابیہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے۔

بائیسویں قسط

معیز نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا کہ وہ ابیہا کے لیے ایسے شدید جذبات محسوس کرے گا۔ قدرت شاید اسے اسی نہج پہ بے بس کرنا چاہتی تھی۔

اور یہ سب ایک دم سے نہیں تھا۔ چور محبت نجانے کب سے اس کے دل میں نقب زنی کر رہی تھی اور اب جو پکڑی گئی تو منہ چھپانے کے بجائے فاتحانہ تن کے کھڑی ہو گئی۔

"لو کر لو جو کر سکتے ہو۔۔۔ مگر جب یہ بیرن محبت ہو جائے تو بندہ کچھ اور کرنے لائق رہ جاتا ہے کیا؟"

وہ کچھ دیر اس خالی پن کے ساتھ رہا۔ خالی ذہن اور خالی سینہ۔ اس کے بعد تو اس کے اندر اس قدر وحشت بھری کہ الامان الحفیظ۔

سب سے پہلے تو چوکیدار کے کوارٹر میں جا کر اس کو جھاڑا' اتنی بدزبانی کی جتنی زندگی میں کبھی نہ کی ہو گی۔ وہ بول نہیں دھاڑ رہا تھا۔

"صاب۔۔۔ چھوٹا بیمار تھا۔۔۔ اسی کو دیکھنے تھوڑی دیر کے لیے ہٹا تھا۔"

وہ بیچ بیچ میں اپنی صفائی پیش کرتا، مگر "صاب" تو نجانے کیا کھو آیا تھا جو اس کا نقصان کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

وہ بے چینی سے گریبان کے بٹن کھولتا تیز قدموں سے گھر کی طرف بڑھا تو شدت جذبات سے چہرہ رنگ بدل چکا تھا اور سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔

چٹ۔۔۔ چٹ، چٹ۔۔۔

ہاتھ مار کے اس نے لاؤنج کی تمام لائٹس آن کر دیں۔ ایراز اور عمر کو باہر کے ہنگامے کی کچھ کچھ سن گن مل ہی گئی تھی۔ اب جو لائٹس نے پورے گھر کو روشن کر دیا تو وہ دونوں فی الفور باہر نکلے تھے۔

"کیا ہوا معیز۔۔۔؟"

عمر اسے اس قدر وحشت زدہ سی کیفیت میں دیکھ کر گھبرا سا گیا۔ معیز نے عجیب سی بے بسی سے اسے دیکھا۔

"ماما تو ٹھیک ہیں نا۔۔۔؟" ایراز پریشان ہوا۔

"ایہا نہیں ہے عمر۔۔۔ وہ کہیں چلی گئی ہے۔" اس کے سرسراتے ہوئے لہجے نے جہاں عمر کو سن کیا، وہیں ایراز کے اندر بھی تھکن سی اتر گئی۔

"رات تک تو یہیں تھیں۔ کھانے کے دوران بھی۔"

"میں بھی عون اور ثانیہ سے بات ہوئی تھی۔ ثانیہ کو میسج کیا تھا اس نے مگر ابھی تک وہاں نہیں پہنچی۔۔۔ وہ وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی ایراز۔۔۔ وہ اتنی بہادر کہاں ہے۔"

وہ بالوں کو مٹھیوں سے جکڑتا ان دونوں کو حیرت کے سمندر میں دھکیلنے لگا۔

بھلا معیز احمد کو اس "بے کار" سی لڑکی کی اتنی فکر کیوں؟

"چوکیدار سے پوچھا۔۔۔؟" عمر نے آگے بڑھ کے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"اسے کچھ نہیں پتا۔۔۔ وہ کوارٹر میں تھا۔ اب بتاؤ اسے کہاں ڈھونڈوں؟"

اور بس۔۔۔ معیز احمد محبت کے سامنے گھٹنے ٹیکے ڈھے گیا تھا۔ عمر پر یک لخت ہی حقیقت آشکار ہو گئی۔

✵ ✵ ✵

تیز آنکھوں میں چبھتی روشنی اسے حواس میں لانے کا باعث بنی تو اس نے نیند بھری چندھیائی آنکھوں کو کھولنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اسے لگا ایک ہی طور لیٹے رہنے سے اس کا وجود درد کی سی کیفیت میں ہے۔ اس نے ہاتھ سے آنکھیں مسلیں۔

(زارا کے کمرے میں اتنی تیز دھوپ کہاں؟)

اس کا ذہن فی الحال سوئی جاگی کیفیت میں تھا، مگر آنکھیں ملتے ہی چھوٹا سا کمرہ اور دھوپ سے بھرا مختصر سا صحن اسے حقیقت کی خوف ناک دنیا میں کھینچ گیا۔ وہ ایک دم سے اٹھی۔ خوف کی شدید لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی کو سنسنا گئی تھی۔ اسے سب یاد آ گیا۔ وہ کیسے پھر سے ایک ظالم کے شکنجے میں آن پھنسی تھی۔

وہ بان کی کھردری چادر سے محروم چارپائی پر تھی۔ بس اس کے پیروں تلے ادوائین کی سختی کے خیال سے چادر دہری کر کے بچھائی گئی تھی۔

وہ تیزی سے چارپائی سے اتری اور اپنی چپلوں میں پاؤں پھنسا کے وہ خوف اور وحشت کے مارے وہاں سے بھاگنے کے ارادے میں تھی تب ہی دھوپ کا راستہ کسی نے روک لیا۔ ایہا نے بے اختیار چہرہ اٹھا کے دیکھا تو

اس کے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

مردانہ تن و توش اور سخت نقوش لیے جانے وہ تیسری جنس سے تعلق رکھتی تھی یا مردنما عورت۔ چہرے پہ معنی خیز سی مسکراہٹ لیے وہ ایبہا کی پھرتی سے ہی محظوظ ہو رہی تھی۔

"تت..... تم..... کون ہو..... مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟"

"ہونہہ..... میرا تجھ سے کیا لینا دینا۔ اور تو اچھی طرح سے جانتی ہے کون تجھے یہاں لایا ہے۔"

وہ اپنی مسکراہٹ کے برعکس بڑے تنفر بھرے انداز میں بولی تو ایبہا اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بیگ کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو اسے دیوار کے ساتھ..... لکڑی کی بوسیدہ میز پہ پایا مگر ایسے کہ لگتا تھا اچھی طرح تلاشی لی گئی ہے۔ زپ کھلی ہوئی تھی اور گولہ بنے کپڑے آدھے اندر اور آدھے باہر تھے۔

وہ بے ترتیبی اور خوف سے دھڑکتے دل کے ساتھ کانپتے ہاتھوں سے کپڑوں کو بیگ میں ٹھونسنے لگی۔

کاجل کی موٹی دھاروں سے سجی چندھی آنکھوں کے ساتھ وہ تمسخرانہ انداز میں ایبہا کی مصروفیت دیکھ رہی تھی۔ وہ بیگ لے کے پلٹی تو اس مردنما عورت کو یونہی دروازے میں ایستادہ پایا۔

ایبہا کا دم حلق میں اٹکنے لگا۔ اس نے ہلکا سا کھنکھار کے گویا خود میں ہمت مجتمع کی۔

"مجھے یہاں سے جانا ہے۔ میرے گھر والے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"جو گھر والیاں ہوں، وہ آدھی رات کو گھر سے بھاگا نہیں کرتیں میری لاڈو۔"

وہ تحقیر بھرا انداز۔ ایبہا کو سخت بری لگی اس کی بات۔ خود کو مضبوط بنا کر کہا۔

"وہ میرے شوہر کا گھر ہے۔ اور میں وہاں سے بھاگ نہیں رہی تھی۔"

وہ شانے جھٹک کر طنز سے مسکرا دی۔

"راستہ دو۔ مجھے جانا ہے۔" ایبہا نے اپنے خوف کو اندر دباتے ہوئے تحمل سے کہا۔

"اری چل..... بیٹھ جا آرام سے۔ سبزی لینے آئی ہے کیا؟ بھائی ایک کلو آلو دینا..... اور میں ڈال دوں گی۔"

جواباً وہ اس قدر حقارت سے بولی کہ ایبہا کے حواس ٹھٹھرنے لگے۔

"دیکھو..... تمہارا مجھ سے کیا واسطہ..... مجھے یہاں بند رکھنے سے تمہیں کیا فائدہ....."

ایبہا گھگھیانے پر اتر آئی۔ اسے شدت سے اپنی فاش غلطی کا احساس ہوا جو اس نے معیز کا گھر چھوڑ کے کی تھی۔

"جو تجھے یہاں لایا ہے اس کا تجھ سے تعلق بھی ہے اور فائدہ بھی۔"

وہ محظوظ انداز میں مسکراتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھی تو ایبہا خوف زدہ سی ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ چلاتے پیلے لان کے سوٹ میں ہونٹوں کو سرخی سے لال کیے چندھی آنکھوں میں سرمے کی موٹی موٹی لائنیں کھینچے وہ ایبہا کو خواجہ سرا ہی لگ رہی تھی، وجہ اس کا مضبوط سراپا اور مردانہ نقوش کے ساتھ رعب داب والی آواز تھی۔

"دیکھو..... اگر تمہیں پیسے چاہئیں تو..... وہ میں تمہیں دے دوں گی۔ جتنے مانگو گی..... مگر ابھی مجھے جانے دو۔ میرا شوہر مجھے ڈھونڈ رہا ہوگا۔" ایبہا کو ٹوٹ کر معیز احمد یاد آیا۔ کیا سنگین غلطی کی تھی اس پناہ گاہ کو چھوڑ کے۔

"اچھا....." وہ متاثر ہونے والے انداز میں بولی۔ "بڑا پیسہ ہے تیرے پاس؟" دلچسپی سے پوچھا تو آنسو پونچھتی ایبہا کی ڈھارس بندھی۔

"ہاں..... بس۔ مجھے یہاں سے جانے دو۔ جتنا کہو گی اتنا پیسہ دوں گی۔" اس نے بعجلت کہا۔

"دو لاکھ.....؟" اس کا انداز اکسانے والا تھا۔

"تین دے دوں گی۔ اللہ کے واسطے مجھے یہاں سے نکال دو۔" ایہانے لرزتے ہاتھ اس کے آگے جوڑے۔
جس گڑھے میں آن گری تھی' وہاں سے نکلنے کی یہ رقم اسے بہت تھوڑی لگی تھی۔
وہ عورت ہونٹ ٹیڑھے کر کے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ پھر ذرا سا چہرہ صحن کی طرف موڑ کر اس نے اونچی آواز میں ہانک لگائی۔
"سنتے ہو مراد صدیقی.... بھئی' تمہاری بیٹی تو بہت لکھ پتی ہے۔ دو مانگو تو تین لاکھ دے رہی ہے۔"
اس کی آواز میں کامیابی کی کھنک تھی۔ وہ مردانہ نقوش والی عورت اچھی طرح اندازہ لگا چکی تھی کہ شکار "کسی بھی" قیمت پر چھٹکارا پانے کی خواہش رکھتا ہے۔
مراد صدیقی کا چہرہ وہ آخری چہرہ تھا جسے ایہا اس دنیا میں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہوا تو ایہا کی رہی سہی ہمت ٹوٹ گئی۔ کٹی شاخ کی مانند اس کا بازو پہلو میں لٹکا تو کندھے سے بیگ پھسل کر زمین پہ جا گرا۔ لڑکیوں کو والدین کی صورت میں زندگی دکھائی دیتی ہے' مگر ایہا کو اپنے باپ کی صورت دروازے میں موت کھڑی دکھائی دی تھی۔ وہ لڑکھڑا کے پیچھے ہٹی تو چارپائی سے ٹکرا کر وہیں گر گئی۔

☼ ☼ ☼

اب جبکہ اس پہ آشکار ہو ہی گیا تھا کہ ایہا اس کے لیے کیا اہمیت رکھتی تھی تو جیسے وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔
ایراز اور عمر تو اس کی بدلی ہوئی قلبی و ذہنی ماہیئت پہ دنگ تھے اور زارا تو معیز کی جذباتیت دیکھ کر گویا کھڑے کھڑے مر ہی گئی تھی۔ پیلی پھٹک رنگت اور دکھیا شاید کسی خوف سے سپید پڑتے ہونٹ.... وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گر سی گئی۔
"کیا کروں.... کہاں ڈھونڈوں۔ میری بیوی ہے وہ۔ خدا جانے کن حالات میں ہو گی۔ آدھی رات کو نکلی تھی اور اب صبح ہو گئی ہے۔ ثانیہ کی طرف بھی نہیں گئی وہ۔" اس کا ذہن ماؤف تھا۔
"پولیس میں رپورٹ درج کراتے ہیں۔ باقی اپنے سورسز استعمال کریں گے۔ دارالامان وغیرہ چیک کریں گے۔ چلو اٹھو جلدی سے۔" عمر ہی نے اس کی ہمت بندھائی۔ ورنہ وہ تو خود کو بند گلی میں مقید پا رہا تھا۔
ایراز کو بھائی پہ ترس تو آیا مگر غصہ زیادہ.... اپنی سادہ سی زندگی کو وہ خود اپنے لیے مشکل بنا چکا تھا۔
وہ تینوں پولیس اسٹیشن چلے گئے۔ زارا ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ دفعتاً" اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اسے اچھی طرح ادراک ہوا تھا اپنی فاش غلطی کا۔ کیا کر دیا میں نے؟

☼ ☼ ☼

ہاتھ میں پکڑی ماچس کی تیلی کے ساتھ دانتوں میں خلال کرتا وہ فاتحانہ مسکراہٹ لیے مراد صدیقی ہی تھا۔
ایہا مراد کا باپ.... یا پھر نام نہاد باپ۔
ایہا کا دل کرلایا۔ ماں کی یاد اس زور سے آئی کہ لگا' دل غم کی شدت سے پھٹ جائے گا۔ وہ اونچی آواز میں بے ختیار رو دی۔
"لو... لڑکیاں تو میکے آنے پہ خوش ہوتی ہیں۔ اس کا تو رونا ہی نہیں تھم رہا۔" وہ عورت منہ بگاڑ کے تبصرہ کر رہی تھی۔ اب جانے وہ ایہا کی نگرانی کے لیے "ہائر" کی گئی تھی یا پھر مراد.... سے اس کا کوئی قریبی تعلق تھا۔
مراد صدیقی کھنکارا۔ بدوضع سا موڑھا کھینچا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"کیوں لائے ہیں مجھے یہاں....." وہ روتی کرلاتی بے بسی سے بولی تو مراد نے گویا چہرے پر تاسف آمیز تاثرات چھاپ لیے۔

"کیا اب ایک باپ کو بھی یہ صفائی پیش کرنا پڑے گی؟" اف..... اس قدر بناوٹی لہجہ۔ زمانے بھر کے "میکوں" کا پیار ایک اسی میکے میں سمٹ آیا ہو جیسے۔ ایہا کے اندر گویا بجلی سی کوندی۔

"باپ ایسے اپنی بیٹیوں کو اغوا نہیں کیا کرتے۔" وہ چیخی تھی۔

"اغوا.....؟" وہ حیران ہوا۔ "میں نے کب اغوا کیا ہے تمہیں..... بلکہ میں تو تمہیں سنسان سڑک سے اٹھا کے لایا تھا۔ وہاں گری رہتیں تو اچھی تھیں۔" ناراضی کا اظہار کیا۔

"ہاں..... پڑا رہنے دیتے وہیں مجھے....." ایہا پر اس کی اداکاری کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ مراد نے گھور کے اسے دیکھا۔

"میری بیٹی آدھی رات کو کپڑوں کا بیگ لے کے گھر سے بنا بتائے بھاگ نکلے اور میں چپ چاپ دیکھتا رہوں، تھو ہے مجھ پر۔" اس نے ایک طرف تھوک کر بڑی مردانگی سے کہا۔ تو بہت کچھ ایہا کے لبوں تک آیا۔ ڈبڈبائی نظروں سے اس "نام کے" باپ کو دیکھا اور پھر اس کے آگے کپکپاتے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے جانے دیں یہاں سے۔ سب مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔"

"ڈھونڈنے دو۔" مراد صدیقی نے گویا ہاتھ سے مکھی اڑائی۔ "ذرا انہیں بھی تو پتا چلے، مراد صدیقی کی بیٹی کو تنگ کرنے کا کیا انجام ہو سکتا ہے۔"

بڑا غیرت مند تھا بے چارہ مراد صدیقی اپنی بیوی کو دھندہ کرنے پر مجبور کرنے والا اور بیٹی کو جوئے میں چند لاکھ کے بدلے داؤ پہ لگا دینے والا غیرت مند۔

"مجھے کسی نے بھی تنگ نہیں کیا تھا۔ میں بہت خوش تھی اپنے شوہر کے گھر میں۔" وہ روتے ہوئے اسے یقین دلا رہی تھی۔

"اچھا۔" مراد نے اسے تمسخرانہ دیکھا۔ "تو آدھی رات کو فروٹ خریدنے جا رہی تھیں یا سبزی؟"

"پلیز..... مجھے جانے دو۔ کیوں لائے ہو مجھے یہاں۔"

"ایسے تھوڑی جانے دیں گے چندا! تیرے گھر والے کو بھی تو ذرا پتا چلے مراد صدیقی کی بیٹی اتنی سستی نہیں ہے کہ اس کے ساتھ جو جی چاہے سلوک کیا جائے۔"

وہ عورت اس کے پائنتی بیٹھتے ہوئے بولی۔ تو اس کے الفاظ پر ایہا بپھر سی گئی۔

"ہاں تب ہی بہت بھاری قیمت وصول کی تھی اس بیٹی کی انہوں نے۔" مراد نے اسے گھور کے دیکھا۔ جی تو چاہا الٹے ہاتھ کی گھما کے لگائے مگر پھر سرد مہری سے دانت پیس کر بولا۔

"پہلے تو وہ سالا مفت میں لے گیا تھا۔ قیمت تو اب لگاؤں گا۔ میں خود اپنی مرضی کی۔"

ایک باپ کے اپنی بیٹی کے لیے یہ الفاظ۔ ایہا کے حواس ٹھٹھر گئے۔ جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس کے اندر سما جائے۔ قیامت کی نشانی تھی۔ رشتوں کا تقدس ختم ہو رہا تھا۔

"اور ہاں..... یہ سلطانہ....." وہ اٹھتے اٹھتے کچھ یاد آنے پہ اس عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا تعارف کرانے لگا۔

"ذرا ادب اور دید لحاظ کے ساتھ رہنا۔ ماں ہے تیری۔" ایہا کے دل میں کراہیت کا احساس بیدار ہوا۔ اپنی خوب صورت اور نازک سی ماں یاد آئی۔

محض ایک غلطی جس کی بد صورتی بن گئی تھی۔
مراد کے اٹھتے ہی ابیہا بھی جلدی سے چارپائی سے نیچے اتری۔ وہ کسی صورت ہار ماننا نہیں چاہتی تھی۔
وہ چیخے گی، چلائے گی۔ چھوٹے سے گھر سے آواز لازمی باہر جائے گی تو لوگ یقیناً" متوجہ ہوں گے۔
"آپ کو پیسہ چاہیے نا۔ وہ دے گا آپ کو۔ جتنا آپ کہیں گے، آپ مجھے ساتھ لے جائیں۔"
ابیہا نے تیقن سے کہا۔ اسے معیز کی آخری بدلتی نگاہ یاد تھی۔ وہ کہیں کا بادشاہ ہوتا تو اب کی بار ابیہا کے لیے اپنی سلطنت لٹا دیتا۔
"زیادہ ہوشیاری مت دکھا لڑکی۔ چپ چاپ ادھر پڑی رہ، جب تک تیرے گھر والے سے معاملہ طے نہیں ہو جاتا۔" سلطانہ نے اس کا بازو اپنی ظالمانہ گرفت میں اس طرح جکڑا کہ وہ بلبلا اٹھی۔
"دھیان رکھنا اس کا۔ باہر نکلنے نہ پائے۔" مراد کہتا ہوا باہر نکل گیا۔
"رکیں، ٹھہریں۔ آپ ایسے زبردستی مجھے یہاں نہیں رکھ سکتے۔۔۔ وہ لوگ پولیس بلوالیں گے۔"
وہ زور سے چیخی اور مزید چلاتی مگر سلطانہ کے زوردار الٹے جھانپڑ نے اسے الٹ کر چارپائی پر گرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی پیشانی چارپائی کے پائے سے ٹکرائی تو درد کی ایک شدید لہر نے اسے تڑپا دیا۔ اس نے اپنے منہ میں خون کا ذائقہ گھلتا محسوس کیا۔ سلطانہ کے تھپڑ نے اس کا ہونٹ پھاڑ دیا تھا۔ وہ بے بسی سی چارپائی پہ مڑی تڑی گٹھڑی بنی بلک بلک کے رونے لگی۔
سلطانہ نے جلدی سے باہر نکل کر دروازے کی کنڈی چڑھا دی مگر خوف زدہ ہونے کے بعد ابیہا میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اٹھ کے دروازہ بجانے کی کوشش کرتی۔
اندھیرے کمرے کو دروازے کی درزوں اور روشن دان سے آتی روشنی قدرے نیم تاریک بنا رہی تھی۔ پیشانی سے نکلتے خون کی چپچپاہٹ وہ اپنے ہاتھ پہ اچھی طرح محسوس کر رہی تھی، مگر فی الحال خوف اور بے بسی کا احساس اسے بے حس و حرکت رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
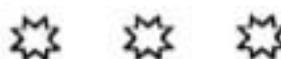
"خس کم جہاں پاک۔۔۔" ابیہا کے لاپتا ہونے کی خبر سن کر سفینہ بیگم نے انتہائی اطمینان سے ہاتھ جھاڑے تو سب ہی کو تاسف ہوا۔
"بس کر دیں ماما۔ یہ لاحاصل نفرت، لاحاصل عداوت۔" معیز کو گہرا دکھ ہوا تھا۔
"وہ تو سمجھو اب ہو ہی گئی۔ اس لڑکی کے "ہونے" ہی کی تو ساری لڑائی تھی۔" انہوں نے بڑی بے نیازی سے کہا تو وہ اٹھ کے ہی چلا گیا۔
"پھوپھو پلیز۔" عمر نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اور لجاجت سے بولا۔
"معیز بہت پریشان ہے۔ اور آپ اسے بجائے تسلی دینے کے۔۔۔" ذرا سے لب بھینچ کر وہ دوبارہ گویا ہوا۔
"لڑکی ذات ہے۔ آدھی رات کو گھر سے نکلی تھی۔ عون کی طرف نہیں پہنچ پائی۔ کچھ انتہائی بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے دعا کریں اور معیز کو حوصلہ دیں۔"
"ارے ہٹو۔۔۔" وہ تنفر سے بولیں اور اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑایا۔ "اپنی ماں کی تربیت لی ہے اس لڑکی نے۔ اس نے بھی یونہی کسی اور کو پھانس لیا تھا۔۔۔ معیز کو تو شکر ادا کرنا چاہیے اللہ کا کہ اس زبردستی کے بندھن سے جان چھوٹی۔"

ان کا انداز سابقہ ہی تھا۔ وہ سفینہ بیگم تھیں۔ اتنی آسانی سے بدلنے والی نہیں تھیں۔
"ہم ایسے لاتعلقی اختیار نہیں کر سکتے ماما۔! وہ اس گھر کی عزت ہیں۔" ایراز نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اسے گھورنے لگیں پھر قطعیت سے بولیں۔
"جو ہوا سو ہوا مگر آئندہ جو کچھ ہوگا' وہ میری مرضی سے ہوگا۔"

ایراز گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

اس کا موبائل بھی بیگ میں سے نکال لیا گیا تھا۔ ورنہ وہ کسی سے رابطہ کر لیتی۔ سلطانہ نے منہ بناتے ہوئے اس کے ماتھے پہ پٹی کر دی۔ سونے کی چڑیا تھی وہ۔ ورنہ سلطانہ کہاں کسی کی چاکری کرتی تھی۔
اگلے تین روز ایہا نے اسی اندھیرے کمرے میں سوتے جاگتے' خوف سے ٹھٹھرتے گزارے۔ پتلے شوربے والے بدذائقہ کھانے اور کم چینی والی پانی پتلی چائے سے مراد صدیقی کے حالات کا اچھی طرح اندازہ ہوتا تھا۔ جب ہی وہ اس بار لمبا ہاتھ مارنے کے موڈ میں تھا۔ اللہ جانے شدید غربت نے نشے کی لت چھڑا دی تھی یا سلطانہ کے "عشق" نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا۔
"رحم کرو... اللہ کا واسطہ ہے تمہیں۔ مجھے جانے دو یہاں سے۔ جتنے پیسے کہو گی میں خود دلا دوں گی تمہیں۔ بلکہ میرے اپنے اکاؤنٹ میں پیسے ہیں۔ میں وہ بھی دے سکتی ہوں تم لوگوں کو۔"
تیسری رات جب سلطانہ نے دروازہ کھول کے اندر پیر رکھا تو وہ بلک اٹھی۔ سلطانہ کی آنکھیں چمکیں۔
"اچھا..."
"لیکن میری چیک بک گھر میں پڑی ہے۔ مجھے جانے دو' میں وعدہ کرتی ہوں کہ جو طے ہوگا' وہی کروں گی۔"
وہ جلدی سے بولی۔ تو سلطانہ سر جھٹک کر کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھتی باہر نکل گئی اور دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔
"معیز..." ایہا کی آنکھیں پھر سے ابل پڑیں۔ کتنی چاہت اور بے اختیاری سے اس نے بانہوں میں بھرا تھا۔ بھلا اب وہ ایہا پر کوئی آنچ بھی آنے دیتا؟
تو پھر... تو پھر میں کیوں نکل آئی اپنی جنت سے باہر؟ اس کے دماغ میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔
اسے یاد آیا۔ کسی نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے... مگر کس نے؟
اسے یاد کرنے میں دقت پیش آئی۔

☆ ☆ ☆

سفیر احسن' سفینہ بیگم کی عیادت کے لیے آیا تھا۔ زرد پڑتی زارا کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ دنوں میں وہ مرجھا گئی تھی۔
"تمہیں کیا ہو گیا ہے... اب تو آنٹی ماشاءاللہ سے ٹھیک ہیں۔"
سفیر نے اپنی بے چینی کو لہجے کی شگفتگی میں چھپاتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تو وہ یونہی خاموش نگاہیں جھکائے انگلیاں مسلتی رہی۔
آنکھ کیسے ملاتی... کہ آنکھ سو کھتی ہی کب تھی۔ تو کیا وہ اس نمی کی تحریر کا مطلب نہ پوچھتا؟
"آنٹی...! مجھے زارا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔" وہ تشویش سے اسے دیکھتے ہوئے سفینہ سے بولا۔

"کتنی بار اس سے کہا ہے کہ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ بستر سے اتر کر پورے گھر کا چکر لگا لیتی ہوں۔ ایسے ہی دل تھوڑا کیے رہتی ہے یہ۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے لانگ ڈرائیو کے لیے لے جاؤں؟"

سفیر نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بھی۔ تمہاری چیز ہے اب۔ اجازت کی کیا ضرورت ہے۔" سفینہ بیگم مسکرائیں۔ داماد انہیں بہت پسند تھا۔ تیسرا بیٹا لگتا تھا۔

"زارا۔ جاؤ بیٹا! کپڑے تبدیل کرلو۔ سفیر کے ساتھ چکر لگا آؤ باہر کھلی ہوا میں۔"

انہوں نے پیار سے گم صم بیٹھی زارا کو متوجہ کیا۔ تو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھنا ہی پڑا۔

سفیر نے اس کے گم صم انداز اور بے رغبتی کو اچھی طرح محسوس کیا تھا مگر سبب سے وہ ناواقف تھا۔ گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھے سفیر کا موڈ قدرتی طور پر بہت خوش گوار تھا۔

ایک لمبے عرصے کے بعد وہ اس کے ہمراہ محو سفر تھی۔ تھوڑے دنوں بعد جو اس کی عروس بن کے دل و جاں معطر کرنے والی تھی۔ وہ اپنی سوچ پر بے ساختہ مسکرا دیا اور یونہی مسکراتے ہوئے زارا کی طرف دیکھا۔ وہ چہرہ موڑے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مگن تھی۔

"کیا بات ہے زارا.....! ناراض ہو مجھ سے یار! تو کھل کے کہو۔" وہ بڑے پیار سے بولا۔ زارا نے اس کی طرف دیکھا اور بجھے انداز میں مسکرا دی۔

"نہیں۔ آپ سے کیوں ناراض ہوں گی۔"

"تو پھر اس اداسی کی وجہ..... اس بے توجہی کا سبب؟ یہ میری زارا تو نہیں ہے۔" وہ قطعیت سے بولا۔ تو چند لمحے زارا نے خود پر ضبط کرنے میں لگائے مگر بے بس ہو گئی تو چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے رو دی۔ وہ بوکھلا سا گیا۔

"ارے....." بے ساختہ گاڑی کی رفتار کم کردی۔ "کیا ہوا زارا..... فار گاڈ سیک۔ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔" وہ پریشان ہونے لگا۔ زارا کو بھی جلد ہی اپنی بے وقوفی کا احساس ہو گیا۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھے تو سفیر نے ٹشو پیپر کے ڈبے میں سے دو چار ٹشو پیپرز کھینچ کر اس کے ہاتھ میں تھمائے۔

"تھینک یو....." اس کی آواز رندھی تھی۔ چہرہ صاف کرنے لگی۔ سفیر اب خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا وقتاً فوقتاً اسے دیکھ رہا تھا مگر اب اور کچھ نہیں پوچھا۔ وہ چاہتا تھا زارا خود کھل کے اپنی پریشانی شیئر کرے۔

"بس یونہی دل پریشان سا تھا....." رندھی ہوئی بوجھل آواز میں زارا نے گویا صفائی پیش کی۔

"حالانکہ اب تو نہیں ہونا چاہیے۔ آنٹی بالکل ٹھیک ہیں۔" وہ برجستہ بولا۔ گویا اس دلیل کو مسترد کر دیا گیا تھا۔ وہ بے چینی سے بیگ کا اسٹریپ مسلتی گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔ گویا بتانے یا نہ بتانے کی کشمکش میں ہو۔ پھر چہرہ موڑ کے سفیر کو دیکھا تو اس نے ایک سائیڈ پہ گاڑی روک دی۔

گاڑی سے باہر تیز دھوپ اور آگ برساتی زندگی تھی۔ تو نیو ماڈل گاڑی کے اندر اے سی کی کولنگ گویا تمام غموں کو اندر آنے سے روکے ہوئے تھی۔ اس کے متوجہ ہونے پر سفیر مسکرایا۔

"بولو۔ کیا بات پریشان کر رہی ہے تمہیں؟"

تب زارا نے ہمت کر کے ایبہا اور معیز کی زندگی کے واقعات سے آہستہ آہستہ پردہ اٹھانا شروع کیا۔

"تو اس میں کیا مسئلہ ہے۔ یہ تم لوگوں کا خالصتاً نجی معاملہ ہے۔ مجھے اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں اور نہ ہی میں کسی قسم کا اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہوں۔"

سفیر نے ان دونوں کے نکاح اور پھر اسے سب سے چھپا کے رکھنے والی بات سن کر صاف گوئی سے کہا۔
"لیکن... مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے۔" زارا کی زبان لڑکھڑائی۔ سفیر نے چونک کے اسے دیکھا۔ تو وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"ماما اسے کسی بھی حالت میں قبول نہیں کر رہی تھیں اور ڈاکٹر ز نے ماما کو اسٹریس فری رہنے کا کہا ہے... تو میں نے اس سے ریکویسٹ کی... کہ وہ یہاں سے چلی جائے کیونکہ ابو کے بعد اب میں اپنی ماما کو نہیں کھو سکتی... اور وہ واقعی چلی گئی۔"
اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔ تو سفیر کی آنکھوں میں تاسف اتر آیا۔
"بے وقوف ہو تم۔ معیز کو خود سے اپنی زندگی کا یہ معاملہ حل کرنے دیتیں' وقت اور حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے۔ انسان بہت اثر پذیر مخلوق ہے۔ منٹوں میں بدلتی ہے اس کی ذہنی اور قلبی ماہیئت۔ بس کسی کیفیت کا وارد ہونا شرط ہے۔"
"ہاں... اور اب بھائی اتنے پریشان ہیں کہ... لگ رہا ہے وہ ابیہا کو قبول کر چکے تھے لیکن میری بے وقوفی کی وجہ سے اسے کھو بیٹھے۔"
وہ مسلسل رو رہی تھی اور سفیر کا ضبط آزما رہی تھی۔
"کم آن زارا! میں تمہیں رلانے کے لیے تو باہر نہیں لایا ہوں۔" وہ خفگی سے بولا۔ تو زارا نے جلدی سے چہرہ صاف کر لیا۔ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔
"ہوں... گڈ گرل۔" وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔
"دیکھو... تمہارا جذباتی پن اپنی جگہ' تم نے اپنی ماما کی محبت میں اس سے اگر کچھ غلط کہہ بھی دیا تو وہ فیصلہ کرنے میں بااختیار تھی۔ سوچ سمجھ کے ہی قدم اٹھایا ہو گا اس نے۔ وہ چاہتی تو نہ جاتی۔" سفیر نے اسے شرمندگی کے حصار سے نکالنے کی سعی کی' مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ شرمندگی سے اوپر کی بات ہے۔
زارا نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ آنسو روکنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ بھرائے لہجے میں بولی۔
"اسے ہم سے محبت ہو گئی تھی سفیر... جو کام نفرت نہ کروا سکی' وہ محبت نے کروا دیا۔"
اس کی بات سن کر سفیر چپ سا ہو گیا جبکہ زارا کا ضمیر اسے مسلسل ملامت کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ سوچ سوچ کے ہار رہا' مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ابیہا نے ایسا قدم کیوں اٹھایا۔ عون کی شادی والے روز اس نے قطعی انداز میں اس تعلق کو نبھانے اور یہاں سے کبھی نہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا... پھر میں بھی تو ہار مان گیا تھا ان روتی کرلاتی آنکھوں کے آگے پھر... ؟
اور یہ "پھر" ہی حل نہ ہو پا رہا تھا۔
سفینہ بیگم کے رویے سے ڈر کے تو وہ گئی نہیں تھی۔ معیز جانتا تھا وہ سفینہ... کا اس سے بھی سخت اور کرخت رویہ جھیل چکی تھی۔ پولیس میں رپورٹ درج کرانے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا تھا۔ ابھی تک ہر طرف جامد خاموشی تھی۔
اور ایسے میں معیز احمد کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اس سے پہلے جب وہ سیفی کے قبضے میں تھی تب بھی اسے تسلی تھی کہ کسی نہ کسی طور اسے وہاں سے چھڑوا ہی لے گا' مگر اب تو اس نے کوئی نشان

ہی نہ چھوڑا تھا کہ اسے تلاشنے کی سعی کی جاتی۔
گزرے تین دنوں میں میڈم کے انتہائی اندر کے آدمی کو بھاری رقم دے کر وہ معلوم کر چکے تھے کہ وہاں کوئی بھی نئی لڑکی نہیں لائی گئی۔
تو پھر ابیہا کہاں گئی؟
وہ اپنے بال نوچتا یا دیواروں سے ٹکریں مارتا۔ سب بے سود تھا.... تو بے حس بن گیا۔
سمندر.... گہرا۔ اوپر سے پرسکوت مگر اندر کیسا طوفان انگڑائیاں لے رہا تھا' کوئی نہ جانتا تھا۔ اسے یاد تھا تو بس ایک نرم وملائم خوف زدہ.... بے یقین سا لمس۔ جواب بھی سینے میں ایک ہلکی سی گرمائش کا احساس جگا دیتا تھا۔
اور کیسے وہ بے یقین آنکھیں اٹھی تھیں اس کی طرف جیسے تاقیامت معیز کی طرف سے اس التفات کی امید نہ تھی اسے۔ وہ ان آنکھوں کی حسرت اور بے یقینی یاد کرتا تو دل بے بسی بھری بے چینی کا شکار ہو جاتا۔ ایک ایسی بے چینی.... جس کا چین حاصل کرنے کے لیے وہ بے بس تھا۔
ایک بھاگم دوڑ تھی جس کا وہ شکار ہو چکا تھا۔ سارا دن شہر کے ہاسٹلز اور دارالامان چیک کرتا اور شام کو اسپتالوں کے ایمرجنسی وارڈز۔ عمر' عون اور ایراز اس کی دیوانگی پر دم بخود تھے اور معیز کے اپنے اختیار میں تھا ہی کب کہ کسی سے چھپاتا۔ دل کی لگی اسے کیا سے کیا بنا گئی تھی۔
وہ شام ڈھلے آیا تو اس کا تھکا ہارا' نڈھال انداز اور ملگجا حلیہ.... اس کے انتظار میں بیٹھی سفینہ بیگم کو طیش دلا گیا۔
"السلام علیکم...." وہ صوفے پر گر سا گیا اور اس کے چہرے پر اس قدر مایوس کن تاثرات تھے کہ چائے لاتی زارا کا دل گویا کسی نے مٹھی میں کر لیا۔ جب سے ابیہا لاپتا ہوئی تھی' معیز کے چہرے کی مسکراہٹ گم گئی تھی۔
"کہاں سے آ رہے ہو تم....؟"
سفینہ بیگم تیزی سے روبصحت تھیں۔ شاید جو ذہنی دباؤ تھا' وہ ابیہا کے جاتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اب بھی انہوں نے تیوری چڑھا کر پوچھا تو عمر نے چونک کر انہیں دیکھا پھر معیز کو' جو سر صوفے کی بیک سے ٹکائے تھکے ہوئے انداز میں پیشانی کو انگلیوں سے مسل رہا تھا۔ یونہی مدھم لہجے میں بولا۔
"ابیہا کو تلاش کرنے گیا تھا ماما۔"
"بس کرو معیز! خدا کے لیے اب یہ پاگل پن چھوڑ دو۔" وہ جیسے زچ آ کر بولیں تو وہ ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔
عمر نے بے اختیار سفینہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ زارا فوراً" چائے پیش کرنے لگی۔
"یہ لیں ماما۔ اور ذرا یہ کوکیز ٹرائی کریں۔ میں نے بالکل نئی ریسیپی (ترکیب) سیکھی ہے چینل سے۔" وہ بروقت تمام ان کی توجہ اپنی طرف دلاتے ہوئے خوش دلی سے بولی مگر وہ بڑی قطعیت سے معیز کی طرف متوجہ تھیں۔
"میری بیوی گم ہوئی ہے ماما! کوئی بلی کا بچہ نہیں۔" وہ تلخی سے بولا۔
"اٹس اوکے معیز۔ وہ مل جائے گی ان شاء اللہ۔" عمر نے اس کا دھیان اپنی طرف کرنا چاہا۔ "اور میری چھٹی بھی ختم ہو گئی ہے۔ اسی ویک کے اینڈ پہ واپس جانا ہے مجھے۔"
"ہاں...." وہ عجیب سی ہنسی ہنسا۔ "تمہارا مشن مکمل ہوا۔ چاہے کسی بھی صورت سہی۔" عمر ساکت ہوا۔ وہ معیز کے تلخ جملے کو اچھی طرح سے سمجھا تھا۔
"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ابیہا کو جان لینے کے بعد میں نے ہمیشہ اس کی فیور ہی کی ہے۔ تم پہ تو وہ بہت بعد میں "آشکار" ہوئی ہے۔"

عمر نے سنبھلتے ہوئے تیکھے لہجے میں اسے باور کرایا۔

"دیکھو۔ بند کرو یہ سارا ڈرامہ۔ اب بھی تم لوگ اس کی گیم نہیں سمجھے....."

سفینہ بیگم نے اونچی آواز میں کہا تو وہ سب ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"وہ یہی سب چاہتی تھی۔ دولت جائیداد' پیسہ۔ ہاتھ لگتے ہی کیسے اڑنچھو ہوئی' دیکھا۔ شوہر بھی یاد نہیں آیا اسے۔" وہ تنفر بھرے انداز میں ایبہا کی ذات کے پرخچے اڑاتے ہوئے بولیں تو معیز کو شدید صدمہ پہنچا۔

"اس کی ہر چیز یہیں ہے ماما! چیک بک تک نہیں لے گئی وہ تو' جائیداد کیا خاک لے جاتی ساتھ....."

زارا کو رونا آ گیا تھا۔

"تم چپ رہو۔ ایک بھائی کیا کم دیوانہ ہو رہا ہے' جو تم بھی اس کی حمایت میں نکل پڑیں۔"

"ماما! آپ کو کیا پتا' آپ کی بیماری کے دنوں میں اس نے کتنا خیال رکھا میرا۔ کتنا ساتھ دیا۔ کتنی دعائیں کیں آپ کے لیے۔"

"ہنہ..... یہ سب اس گھر میں گھسنے اور اس پہ قبضہ کرنے کے طریقے تھے اس کے۔ اور تم بے وقوف آ بھی گئیں اس کے ہتھکنڈوں میں۔" انہوں نے زارا کو گھورا۔

"ماما! اس نے اس گھر پر قبضہ کرنا ہوتا تو میرے ایک دفعہ منت کرنے پہ وہ یہاں سے چلی نہ جاتی۔" وہ بے اختیار بولی اور پھر رو دی۔

مگر وہاں تو گویا کوئی دھماکا ہی ہو گیا تھا۔ معیز نے بے یقینی' حد درجہ بے یقینی سے اپنی نرم دل بہن کو دیکھا۔ وہ ایبہا سے کتنی محبت سے پیش آنے لگی تھی ان دنوں میں۔

"لیکن مجھے ماما سے زیادہ پیار تھا۔ میں ماما کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی وجہ سے ماما ذہنی دباؤ کا شکار رہتی تھیں تو میں نے اس سے کہا..... بھائی بھی تو اسے بسانے کو تیار نہیں تھے۔ میں نے سوچا یہی موقع ہے وہ اپنی زندگی جی سکے گی اور بھائی اپنی....."

زارا روتے ہوئے اعتراف جرم کر رہی تھی۔ عمر نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اور جس کی زندگی ہی میں بن گیا تھا زارا.....! اس کے لیے تم نے کیوں نہیں سوچا.....؟"

معیز کا لہجہ دکھ سے چور تھا۔ روتا کرلاتا۔ زارا کے رونے میں اور شدت آ گئی۔ وہ اب ٹھیک سے سمجھی کہ اس کا جرم کتنا بڑا تھا۔

"اللہ جو کرتا ہے' اس میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ اس میں بھی سب کی بہتری ہی ہو گی۔ بس اب صبر شکر کرو اور نارمل ہو جاؤ سب۔"

سفینہ بیگم نے اپنے غصے کو اندر دباتے ہوئے بظاہر نارمل انداز میں بات کو دوسری طرف گھمایا۔ معیز اٹھ کھڑا ہوا اور سرد لہجے میں بولا۔

"بالکل۔ آپ سب نارمل ہو جائیں' لیکن میں اپنی بیوی کو ڈھونڈ کر ہی چین سے بیٹھوں گا۔"

"سوری بھائی....." زارا بے چاری تو اس راز کو اندر رکھ رکھ کے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔ آج بے اختیار ہی اگل دیا تھا۔

معیز نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔ رت جگوں اور ضبط کی لالی سے سجی آنکھیں زارا کا دل ہی تو چیر گئیں۔ وہ روتے ہوئے اٹھ کر بھائی سے لپٹ گئی۔

معیز نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"وہ تو پہلے ہی آزمائشوں میں گھری تھی زارا! تم نے اسی کو کیوں چنا...؟ مجھے چنتیں تو کوئی بات بھی تھی۔ وہ تو بتا بھی نہیں پائی ہو گی تمہیں اپنے دل کی بات۔ میں ہوتا تو بتاتا کہ وہ میرے لیے کیا ہو گئی ہے....."

وہ بڑے ضبط سے بولا پھر زارا کو پیچھے ہٹاتا لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تو وہ ہاتھوں میں منہ چھپائے وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

"آپ بھی دل سے کدورت ختم کردیں پھوپھو! وہ آپ کے لیے دعا کرتی رہی ہے۔ اس کی سلامتی کے لیے بھی دعا کریں۔ یقین کریں یہ دعا اور اس کی قبولیت آپ کے بیٹے کی سلامتی ہو گی۔"

عمر نے سفینہ بیگم کو سمجھایا تو انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ تاکہ اس کی ماں کی روح خوش ہو جائے کہ جو کام وہ نہ کرپائی وہ اس کی بیٹی نے کرلیا۔"

"اف....." عمر سر تھام کے بیٹھ گیا۔ "ہم لوگ زندوں تو کیا مرے ہوؤں کو بھی خوش نہیں کرسکتے۔"

"ماما پلیز۔ آپ بھائی کو تسلی اور ہمدردی نہیں دے سکتیں تو دکھ دینے والی بات بھی نہ کریں۔"

زارا بے بسی سے بولی۔ تو وہ گرجیں۔

"ایک تو میں تم لوگوں کی بے جا جذباتیت سے، بہت تنگ ہوں۔ بند کردو اس ڈرامے کو اب۔ دفع ہو گئی ہے وہ۔ سارا گھر دھلوایا ہے میں نے نذیراں سے۔ ایک ایک شے کی جھاڑ پونچھ کروا کے ساری بیڈ شیٹس اور کورز تبدیل کرائے ہیں۔ اس کی نحوست دور کرنے کے لیے۔"

ان کا تنفر حد سے سوا تھا۔

بندے اگر تو جان لے کہ خدا کے نزدیک تکبر کس قدر بڑا گناہ ہے تو تو زندگی میں کبھی تکبر نہ کرے۔

لیکن ہم جاننے کی کوشش ہی کب کرتے ہیں؟

عمر گہری سانس بھرتا اٹھا۔

"کسی اپنے کی خوشی پورے گھر کی خوشی بن جایا کرتی ہے۔ پھوپھو! سوچیے گا اس بات پر۔"

وہ بھی چلا گیا تھا۔ سفینہ بیگم نے سر جھٹکا۔ پھر زارا کو ہلکا سا گھور کے دیکھا۔

"اور تم سے کس نے کہا تھا معیز کے سامنے اپنی بے وقوفی کا ڈھنڈورا پیٹو۔ ایسے تو میں یہی کہتی کہ وہ بھاگ گئی ہو گی کسی کے ساتھ۔ تم نے تو منٹوں میں اپنے سر جرم لے کر اس بدذات کو بری کردیا۔"

زارا نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔ جی تو چاہا کان بھی بند کرلے مگر ماں کا ادب و لحاظ آڑے آگیا۔

سفینہ بیگم بڑبڑاتے ہوئے چائے اور کوکیز کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

"جو یونہی گم ہو جائیں، وہ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں کسی ذریعے یا رابطے سے مل ہی جایا کرتے ہیں مگر وہ تو خود دنیا کی بھیڑ میں کھو جانے کہیں چھپ جانے کے ارادے سے نکلی تھی۔

تو تمہیں اب میں کہاں ڈھونڈوں ایہا....؟

وہ کھڑکی سے پار اندھیرے لان میں گھورتا رات کی وحشت کو خود پر طاری ہوتا محسوس کررہا تھا۔

"میں اس قدر بے چین و مضطرب ہوں.... تو تم تو مجھ سے بھی پہلے اس "واردات" کا شکار تھیں جسے عرف عام میں محبت کہا جاتا ہے۔ تو تم نے کیسے کھو دیا اپنی محبت کو؟ میں تو کبھی خود میں اتنی ہمت نہ جمع کرپاتا۔

کیا قیامت کردی تم نے زارا..... زندگی جینے سے پہلے ہی چھین لی مجھ سے۔

وہ بڑے جذب بھرے دکھ اور شدت سے اسے سوچ رہا تھا۔ وہ جو وہاں سے میلوں دور اندھیرے کمرے میں کھردری چارپائی پہ نڈھال اور بے بس پڑی تھی۔ جہاں معیز کے خیال کی رو بھی پہنچ نہ سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆
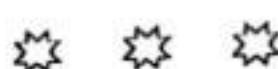
"اب بس بھی کرو مراد..... !تنگ آگئی ہوں میں تمہاری اس لاڈلی کی خدمت گزاری سے۔"
سلطانہ نے عادتاً" منہ بگاڑتے ہوئے کھانے کے دوران مراد سے شکوہ کیا تو اس نے گھور کے سلطانہ کو دیکھا۔
"دیکھ رہا ہوں جو اس کی خدمت کر رہی ہے تو۔ سوکھ کے تنکا ہوئی جا رہی ہے۔" وہ طنز سے بولا۔
"تو میں کہاں سے مرغ بریانی لا کے دوں اسے۔ اور خود بھی کچھ نہیں کھاتی ہے وہ۔" سلطانہ بگڑی۔ تو مراد صدیقی ٹھنڈا پڑا۔
"دیکھ سلطانہ !اس کا پورا دھیان رکھ۔ اسے ایسے حالوں میں واپس کریں گے تو اس کا شوہر زندہ نہیں چھوڑے گا ہمیں۔"
"اسی لیے تو کہتی ہوں سوچ کیا رہا ہے۔ پیسہ لے اور اسے حوالے کر اس کے۔" وہ اسی انداز میں بولی۔ تو مراد صدیقی اس کے تیکھے لب و لہجے پر فدا ہو گیا۔
"ارے میری شہزادی! موقع دیکھ رہا ہوں بس۔ ذرا ڈھول بیٹھنے کا انتظار تھا۔ اس کے گھر والے نے اسے ڈھونڈنے کے لیے جو زور لگانا ہے لگا لے پھر میں رابطہ کروں گا اس سے۔"
"تو رابطہ کر کے تو دیکھ۔ اب تک تو اس کی دنیا زیر و زبر ہو چکی ہوگی۔" سلطانہ نے اسے اکسایا۔
"چلو۔ صبح دیکھتا ہوں۔ اس کے موبائل میں نمبر ہے اس کے گھر والے کا۔" وہ مان گیا۔
"اس کا موبائل آن کرنے کی بے وقوفی بھی مت کرنا۔ سم آن ہوتے ہی پولیس تیری گردن آن دبوچے گی۔" سلطانہ نے کر ختگی سے کہا۔
"اتنا بے وقوف نہیں ہوں میں۔ کسی پی سی او سے فون کروں گا۔" مراد نے دانت نکوسے۔
"ہر دفعہ کسی الگ فون بوتھ سے۔ فلموں میں دیکھا ہے نا۔" وہ بھی بھرپور انداز میں مسکرائی۔
اندر دم سادھے لیٹی ابیہا نے ان کے پلان کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔
میرا موبائل..... ایک بار میرے ہاتھ لگ جائے تو..... نیند کی وادی میں ڈوبتا اس کا ذہن مسلسل ایک ہی بات سوچے جا رہا تھا۔
سلطانہ نے اتنے دنوں سے اسی اندھیری کوٹھڑی کو اس کا مقدر بنا رکھا تھا۔ محض باتھ روم کے استعمال کے لیے اسے بازو سے دبوچ کے ساتھ لے جاتی۔ اس کے علاوہ اسے باہر نکل کے ایک بھی سانس لینے کی اجازت نہ تھی۔
اس کی آنکھ کھٹاک کی آواز سے کھلی۔ روشنی کا تیز جھماکا اس کے چہرے پہ پڑا۔ تو اس نے بے اختیار آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ کئی ثانیے گزرے مگر اندر کوئی نہیں آیا۔
ہوا کے زور سے کھلنے والا دروازہ اب ہلکے ہلکے ہل رہا تھا۔ دھوپ کی لکیر بڑھتی اور کم ہوتی رہی۔
کچھ خیال آنے پہ وہ بہ سرعت اٹھی۔ ساری کمزوری اور نقاہت کہیں دور جا سوئی تھی۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے کھولا اور باہر جھانکا۔ چھوٹا سا صحن خالی تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی۔ اس کے کان چوکنے خرگوش کی طرح کھڑے تھے۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ بھی چوپٹ کھلا تھا اور وہاں کوئی نہ تھا۔
(تو کیا سلطانہ اور مراد کو ایمرجنسی میں کہیں جانا پڑ گیا تھا؟)
اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ اونچی دیواروں والا صحن۔ چھت پہ جانے کو کوئی سیڑھی نہ تھی ورنہ وہ چھت پر چڑھ کے ہی شور مچا دیتی۔ باہر کا دروازہ دھڑ دھڑانے کا بھی کچھ فائدہ نہ تھا۔ یقیناً" باہر تالا لگا ہوگا۔ آبادی سے ہٹ کے یہ مکان تھا۔ وہ ساتھ والے کمرے میں آئی اور تیزی سے ادھر ادھر ہاتھ مار کے چیزیں الٹ پلٹ

کرنے لگی۔

جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی۔ ایہا کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔ یہ اس کا موبائل فون تھا۔ جو کہ آف تھا اس نے پاور کا بٹن لحہ بھر کو پریس کیا تو اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ موبائل کی بیٹری چارج تھی۔ موبائل آن ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے معیز کا نمبر ملایا۔ اسی وقت باہر کے دروازے پر کھٹکا ہوا۔ تالا کھل رہا تھا۔ اس کے بعد کنڈی کھلنے کی آواز۔ ایہا کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔

"معیز.... معیز.... فون اٹھا لو پلیز...."

وہ کرب سے بڑبڑائی۔ سلطانہ اور مراد صدیقی آگے پیچھے ہی اندر داخل ہوئے تھے۔ اسی وقت دوسری طرف سے کال ریسیو کرلی گئی۔ ایہا کے اندر جیسے نئی توانائی بھر گئی۔

"معیز...."

"ایہا... کہاں ہو تم.... ؟ پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا ہوں میں تمہیں ہر جگہ...."

ان دونوں کی ایہا پر نگاہ پڑ چکی تھی۔ غصے اور کرختگی نے ان کے چہرے بگاڑ دیے۔ ایہا پر وحشت سی طاری ہو گئی۔ وہ دونوں ایک جست میں اس تک پہنچے تھے۔

"معیز میں.... مجھے اس نے اغوا کیا ہے...."

وہ تعین نہ کرپائی کہ مراد صدیقی کا "تعارف" نام سے کرائے.... یا رشتے سے؟

"کون.... کون ہے وہ.... ؟" معیز نے تیز لہجے میں پوچھا اور ابھی وہ بولنے ہی لگی تھی کہ مراد صدیقی نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا اور آف کر دیا۔ سلطانہ نے کھینچ کے ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔

"معیز.... معیز.... میری بات کرا دو اس سے.... معیز!" وہ چیخی اور پھر چیختی ہی چلی گئی۔

"تیرا ستیاناس حرام خور۔"

سلطانہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ ایہا شاید خواب میں چیخ رہی تھی۔ اسے گالیوں سے نوازتے ہوئے تلملا کر سلطانہ نے تکیہ اٹھا کر اس کے منہ پر رکھ دیا تو گھٹن کے مارے ہاتھ پاؤں مارتی وہ حواس کی دنیا میں لوٹی۔ تکیہ اٹھا کے پرے پھینکا۔

"کیا بات ہے کمینی۔ کیوں چیخے جا رہی ہے۔" سلطانہ غرائی۔

مدھم روشنی میں اس کے مردانہ نقوش بہت بھدے لگ رہے تھے۔ ایہا کو اس سے خوف محسوس ہوا۔ پسینے میں شرابور جسم اور دھونکنی کی طرح چلتا سانس، وہ یقیناً "خواب" ہی دیکھ رہی تھی۔

مگر معیز کی پکار ابھی تک اس کی سماعتوں میں تازہ تھی۔ ابھی کل ہی کی تو بات لگتی تھی۔ وہ سیڑھیوں کے کنارے تک اس کا نام پکارتے ہوئے اس کے پیچھے آیا تھا۔ رشتہ جڑنے کے اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے دل سے اتنی بے تابی کے ساتھ ایہا کو پکارا تھا۔ تو اب روز رات کو اسے بدل بدل کے خواب آتے جس میں معیز اسے اتنی ہی بے قراری سے پکارتا تھا۔

سلطانہ پھر سے اونگھ گئی تو ایہا نے دبی سسکاری بھری۔

تو آج پھر یہ ایک خواب ہی تھا....

☼ ☼ ☼

رباب تو معیز کی حالت دیکھ کر دنگ ہی رہ گئی۔

"اس لڑکی کو تو عادت ہے ان ڈراموں کی معیز! اب تک تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے تھا۔" وہ حسب عادت

زہر اگلنے سے باز نہیں رہی تھی۔ معیز نے بہت ناگواری سے اسے دیکھا۔ تو زارا جلدی سے کچن سے آئی۔

"آؤ رباب! میں تمہیں ڈریسز دکھاؤں۔ کیا کمال کلیکشن آئی تھی "پہناوا" پر۔ تمہارے لیے بھی دو سوٹ لیے ہیں میں نے۔"

وہ جیسے زبردستی اٹھ کے زارا کے کمرے میں آئی۔ وگرنہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"یہ معیز کس خوشی میں اسے ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ دفع ہو گئی ہے تو ہونے دو۔"

رباب کی سوئی ابھی تک وہیں پر اٹکی تھی۔ پیکٹ میں سے سوٹ نکالتے ہوئے زارا کا ہاتھ رک گیا۔

اسے دھیان آیا۔ رباب کا انداز گفتگو بالکل سفینہ..... جیسا تھا۔

"ایک انسان لاپتا ہوا ہے رباب..... اسے ڈھونڈنا ہمارا فرض ہے۔" زارا نے تحمل سے کہا۔ رباب نے تیوری چڑھائی۔

"ایک بالغ انسان اپنی مرضی سے کہیں چلا جائے تو اس کے پیچھے اس کی تلاش میں نکل جانا عقل مندی نہیں کہلاتا۔"

"انسان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے رباب! اور ویسے بھی وہ یہاں سے عون بھائی کے گھر جانے کے لیے نکلی تھی مگر وہاں نہیں پہنچی اور آج پانچواں روز ہے۔" زارا کی آواز نا چاہتے ہوئے بھی رندھ سی گئی۔

"سو واٹ یار....." وہ زور دیتے ہوئے بولی۔ "نہیں رہنا چاہتی ہو گی وہ یہاں۔ اور ہو سکتا ہے کسی کے ساتھ اس کا کوئی چکر وغیرہ ہو۔ پہلے بھی وہ کالج سے غائب ہو گئی تھی۔ ہاسٹل بھی چھوڑ دیا تھا بنا بتائے۔" رباب نے آرام سے کہا تو زارا کے سر میں درد شروع ہو گیا۔

"تب بھی اس کے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا تھا۔ بھائی اچھی طرح واقف ہیں اس کی ہسٹری سے۔"

"معیز کو اس کی ہسٹری میں بڑی دلچسپی ہے۔" رباب نے طنز کیا۔ تو لہجہ تلخ تھا۔ زارا گڑبڑائی۔

"ہاں..... ہے دلچسپی پھر.....؟" معیز دروازے میں آن کھڑا ہوا تھا۔ سپاٹ لہجے میں بولا تو زارا کا دل دھک سے رہ گیا۔

رباب نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ عجیب بے اعتنائی کے موڈ میں تھا۔ اس سے بہت دور ایک اجنبی سا معیز احمد۔

"بہت خوب....." سنبھلتے ہوئے رباب نے سینے پہ بازو لپیٹے اور طنزیہ نظروں سے معیز کو دیکھا۔ "اس دلچسپی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں میں؟" تلخی سے پوچھا۔

زارا کا دل گویا منہ کو آنے کو تھا۔ وہ ایک ٹک معیز کی آنکھوں میں اترتی سرخی اور سرد تاثرات کو دیکھ رہی تھی۔

"ہے وجہ..... لیکن میرا نہیں خیال کہ میں تمہیں بتانے کا پابند ہوں۔" وہ اسی سرد مہری سے بولا۔

"تم میری انسلٹ کر رہے ہو معیز۔" رباب نے غصیلے لہجے میں کہا تو زارا نے بات سنبھالنے کی غرض سے آگے بڑھ کے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ایسا کچھ نہیں ہے رباب! بھائی ڈسٹرب ہیں ایبھا کی گمشدگی کی وجہ سے....."

"وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں۔ کافی "ڈسٹرب" ہیں اس کی وجہ سے۔" وہ طنز و تمسخر سے بھرپور لہجے میں بولی تو معیز نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر اعتراف کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ ہوں ڈسٹرب۔ تو پھر.....؟" رباب تلملائی۔

"تو پھر یہ کہ تم اتنے عرصے سے میرے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے ہو.....؟"

"وہی۔ جو تم چاہتی تھیں۔ دوستی کا ہاتھ تم نے بڑھایا تھا میں نے نہیں۔" وہ آرام سے بولا اور اسے جتا بھی دیا۔

"اونہہ۔۔۔ مجھے بہت پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا جب تم مجھے اس سے کمپیئر کرتے تھے۔" وہ پھنکاری۔

"ہاں۔۔۔ اور مجھے بھی، لیکن افسوس۔ مجھے سمجھنے اور جاننے میں دیر ہوگئی۔" معیز کا لہجہ رباب کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا، مگر زارا کا تو دھاڑیں مار کے رونے کو جی چاہا۔ اس کے جان سے پیارے بھائی کی زندگی تباہ ہوگئی تھی۔

"مگر تمہاری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ جیسے اس نے "سات پردوں" میں رہ کے تمہیں پھانس لیا تھا ویسے ہی کسی اور کو پھنسا کے نکل گئی ہوگی۔"

رباب کی تو زبان کے آگے خندق بلکہ کھائی تھی۔ معیز کا وجود جیسے شراروں سے بھر گیا۔

"اسے نہ تو کسی اور کو پھانسنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی مجھے۔"

"اس کلاس کی لڑکیاں۔۔۔"

رباب نے کہنا چاہا تو معیز دانت پیستا دو قدم آگے بڑھ آیا اور اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"تم جو زبان استعمال کر رہی ہو، وہ بھی کسی اچھی کلاس کو پورٹریٹ نہیں کر رہی رباب۔" رباب تلملا اٹھی۔

"تم میرا اور اس کا مقابلہ کر رہے ہو؟"

"پہلے تو میں یوں ہی کہا کرتا تھا رباب۔۔۔" وہ بے ساختہ کہتے ہوئے رکا۔ پھر دکھ سے بولا۔ "مگر اس کا اور تمہارا واقعی کوئی مقابلہ نہیں۔"

"تم میری انسلٹ کر رہے ہو معیز۔" رباب نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں۔

"اور تم میری بیوی کی۔۔۔" وہ جتانے والے انداز میں اس قدر اچانک بولا کہ جہاں زارا کا سر چکرایا وہیں رباب کے سر پہ گویا پوری چھت ہی آن گری۔

"کک۔۔۔ کون؟" رباب نے تحیر اور بے یقینی سے معیز کو دیکھا۔

"دراصل رباب۔۔۔ میں نے بتایا تھا نا ہمارے فیملی ریلیشنز ہیں ایمہا کی امی سے۔۔۔ تو ابو نے جذباتی ہو کر اپنے انتقال سے پہلے بھائی اور ایمہا کا نکاح کروایا تھا۔ حالات ہی کچھ ایسے ہوگئے تھے۔ بھائی کی تو مرضی ہی نہیں تھی۔"

زارا سے بات سنبھالی نہ جاتی تھی۔ رشتہ ہی ایسا تھا اس سے۔ مگر معیز بالکل پرسکون تھا۔ جیسے کوئی بہت صحیح فیصلہ کر لیا ہو۔

اور رباب۔۔۔ یک لخت وہ ڈھیری بن گئی۔ جس پہ ایمہا نے فتح کا پرچم ٹھونک دیا تھا۔ رگ رگ میں گویا تیزاب دوڑا تھا۔

"اور تم۔۔۔ تم مجھ سے فلرٹ کرتے رہے۔" وہ پھنکاری تھی۔ یوں جیسے ابھی معیز پر جھپٹ پڑے گی۔

"دوستی کا ہاتھ تم نے بڑھایا تھا رباب! میں تو کافی عرصہ تک اگنور کرتا رہا تھا۔" وہ جتاتے ہوئے بولا تو وہ چیخی۔

"تم مجھے اپنے نکاح کا بتا دیتے تو میں پیچھے ہٹ جاتی۔"

"تم پھر بھی نہ ہٹتیں کیونکہ تب تک میں اس نکاح کو مانتا ہی نہیں تھا، تو تم کیسے مان لیتیں۔" اس کی آنکھوں میں تاسف تھا اور لہجے میں اپنے لیے پشیمانی۔

"تم نے میرے ساتھ بلف (دھوکا) کیا ہے۔ گیم کھیلا ہے میرے ساتھ۔ جس میں تمہاری بہن بلکہ تمہاری پوری فیملی انوالوڈ (شامل) ہے۔" رباب نے تیز نظروں سے زارا کو گھورتے ہوئے غصے سے کہا۔

وہ تو خود معیز کو جھٹکا دینے والی تھی۔ اسے ٹھکرا کر اس پر سیفی کو ترجیح دیتی تو وہ کیسے تڑپتا۔ کیسے اس کی منتیں کرتا۔ مگر ادھر تو کھیل ہی اور چل رہا تھا۔ رباب کی باری آئی نہیں تھی اور اس کے سارے کے سارے مہرے پٹ بھی گئے۔

"زارا کو اس معاملے میں مت گھسیٹو۔ اس نے تمہیں مجھ سے دوستی کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ یہ تمہارا ذاتی فیصلہ تھا۔ تمہیں یاد ہے نا۔ وہ رانگ کالز' جو تم مجھے کیا کرتی تھیں؟"

معیز نے سرد لہجے میں کہا تو زارا کے سامنے اس پر گھڑوں پانی پڑا۔

"مگر تم لوگوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" وہ تلملائی' پھنکارتی ہوئی زخمی ناگن کی طرح بل کھاتی وہاں سے نکلی تھی۔ زارا سر تھام کے بیٹھ گئی۔

"رباب.... رباب...." معیز لاؤنج میں آیا تو سفینہ اسے آوازیں دیتی لاؤنج کے دروازے تک گئیں۔ مگر وہ ان کے احترام میں بھی نہیں رکی۔ سفینہ غصے سے واپس آئیں۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم لوگوں نے.... کیا کہا تھا رباب سے تم نے؟" انہوں نے معیز سے پوچھا۔

"ایبھا کے متعلق بتایا ہے اور بس...." وہ اطمینان سے بولا تو سفینہ بیگم کے پیروں تلے جیسے انگارے بچھ گئے۔

"بس...." وہ تلملائیں۔ "یہ بس ہے نان سینس؟ جانتے نہیں ہو' زارا سے اس کا کیا رشتہ ہے اور فیوچر میں وہ اس گھر کی بہو بننے والی ہے۔"

"اسے بھی یہ ہی غلط فہمی تھی ماما! مگر آج میں نے اس کی یہ غلط فہمی دور کر دی ہے۔"

اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ سفینہ بیگم کو طرارہ آیا۔

"دیکھو اس مت کرو معیز! میری نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ' جو تمہارا باپ کر گیا تھا وہ ہی کافی ہے ہماری بدنامی کو۔ اب اِس گناہ کی پوٹ کو اپنے سر پہ مت لادو۔ دفع ہو گئی ہے تو ہاتھ جھاڑ لو تم بھی۔"

معیز کی رنگت مارے ضبط و برداشت کے سرخ ہو گئی۔ "ماما پلیز....." وہ انہیں اونچی آواز میں ٹوک گیا اور بس۔ اس سے زیادہ نہ مذہب اجازت دے رہا تھا اور نہ ہی ڈاکٹر۔

"میری ایک بات کان کھول کے سن لو معیز! میں اس گھر میں اس لڑکی کے قدم برداشت نہیں کر سکتی۔ جس کی غیر موجودگی میں تباہی مچ رہی ہے' اس کی موجودگی تو میرا گھر توڑ کے رکھ دے گی۔" سفینہ بیگم نے قطعی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ معیز کا جی چاہا انہیں بتائے۔ ماں وہ تو اپنا بنانے والوں میں سے ہے۔ توڑنے نہیں جوڑنے والوں میں سے ہے۔ اس گھر کی خوشی کی خاطر جو اپنی جان کی پروا کیے بغیر یہاں سے نکل گئی تھی۔ آپ کا گھر' پیسہ اور بیٹا بھی چھوڑ کر۔

معیز کے لب لرزے۔ اس کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔ وہ وہیں سے چپ چاپ پلٹ گیا جبکہ سفینہ بیگم مارے غصے کے کتنی ہی دیر بڑبڑاتی رہیں۔

☆ ☆ ☆
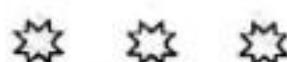
ثانیہ کے بس میں ہوتا تو وہ زمین کھود کے ایہا کو کہیں سے برآمد کر لیتی۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ کہ کوئی بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ سنسان سڑک سے جانے کون اسے کہاں لے گیا تھا۔ اس معصوم اور بے ریا لڑکی سے ثانیہ کا بہت پیار کا تعلق رہا تھا۔ وہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی۔ بہت آزردہ سی سوچوں کا شکار تھی جب عون جان بوجھ کر دھڑام سے اس کے پاس گرنے کے سے انداز میں بیٹھا۔

ثانیہ نے چونک کر بازو ہٹایا۔

"تم سو رہی تھیں؟" عون نے جیسے بے یقینی سے پوچھا تو اس کے انداز پر ثانیہ چڑ کر بولی۔

"نہیں..... موٹر سائیکل چلا رہی تھی۔"

"ہاں بھئی..... تم سے کچھ بعید نہیں۔ تم تو موت کے کنویں میں بھی موٹر سائیکل چلا سکتی ہو۔" عون نے متاثر ہونے والے انداز میں سر ہلایا تو ثانیہ نے تکیہ اٹھا کے اسے دے مارا۔ وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"تنگ مت کرو عون۔ میرا دل ایہا کے لیے بہت پریشان ہے۔" وہ پھر سے اداس ہونے لگی۔

"حقیقت ہے' مرے ہوئے پہ صبر آ ہی جاتا ہے' مگر زندہ انسان کھو جائے تو کسی پل چین نہیں ملتا۔ کہیں سے ایک خبر' ایک خیر کی آواز۔ دل ترستا ہی رہتا ہے۔"

"دعا کرو اس کی خیریت کے لیے اور بس....." وہ بھی سنجیدہ ہو گیا' پھر بتانے لگا۔

"معیز بھی بہت پریشان ہے۔ بہت خراب حالت ہے اس کی' میں تو حیران ہوں دیکھ کر۔"

"ہونہہ..... اب کیا فائدہ؟ جب موجود تھی تب تو اسے دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔" ثانیہ کو غصہ آیا تو تلخی سے بولتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"اچھا..... یعنی کافر کو ساری عمر کافر رہنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ تو اللہ کو مانتا ہی نہیں تھا پہلے۔" عون نے بھی طنز کی مار ماری۔

ثانیہ نے سر جھٹکا اور بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی۔

"بے وقوف۔ پہلے کو چھوڑو اور اب کی بات کرو۔ وہ مان گیا تھا اس کی حیثیت کو۔ معافی بھی مانگ لی تھی اس نے ایہا سے' پھر بھی وہ چلی گئی۔" عون نے نرمی سے بتایا۔ تو ثانیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"معیز نے خود بتایا ہے مجھے۔" عون نے اس کی نظروں کی زبان سمجھتے ہوئے وضاحت کی پھر ساتھ ہی وجہ بھی بتا دی کہ ایہا کس طرح اور کن حالات میں گھر سے نکلی تھی تو ثانیہ نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔
"یا اللہ... یہ پوری فیملی تو امتحان لینے پہ اتری ہوئی ہے' اس کی بے بسی اور بے کسی کا۔"
"اللہ بہتری کرے گا ان شاء اللہ۔" عون نے اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔
ایک عورت کا گم ہو جانا' پورے گھرانے کی عزت جانے کے مترادف ہے۔
اور اس وقت وہ سب اسی کیفیت کا شکار تھے۔

☆ ☆ ☆

عمر آج واپس جا رہا تھا۔
"وہ صحیح معنوں میں ایک بہترین لڑکی ہے معیز! چاہے جیسے بھی حالات ہوں' اسے تنہا مت چھوڑنا۔ پھپھو کو منا لینا۔ اولاد کو بہت سے طریقے آتے ہیں والدین سے بات منوانے کے۔ تم بھی کچھ ایسا ہی فارمولا آزمانا۔ میں جا کے تم سے رابطہ رکھوں گا اور ایہا کے لیے بہت دعا کروں گا۔" جاتے ہوئے اس نے معیز سے کہا تھا۔ ایراز اسے ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔
آج ساتواں روز تھا۔ اب تو معیز کو یہ سب طفل تسلیاں لگنے لگی تھیں۔
"وہ مل جائے گی' وہ آجائے گی' کب؟ ابھی کیوں نہیں' ابھی میں پلکیں جھپکوں اور وہ نم آنکھیں لیے میرے سامنے ہو۔ مجھ سے لڑے جھگڑے... میں آپ کی زندگی سے کبھی نہیں جاؤں گی اور جس کی زندگی ہی آپ ہو گئے ہوں' اس کا کیا؟"
وہ تھکے ہارے انداز میں سیڑھیاں طے کر رہا تھا اور کانوں میں گویا ایہا کی آواز گونج رہی تھی۔ اس کا دل درد کے مارے پھٹ جانے کو تھا۔
زندگی کا ہاتھوں سے نکلنا کیسا ہوتا ہے' یہ اس پل معیز پر آشکار ہو رہا تھا۔
وہ آخری سیڑھی پر پہنچا تو اس کے کانوں میں ایک جانی پہچانی آواز گونجی۔
اس کا پژمردہ ہوتا ذہن چوکنا ہوا۔
یہ اس کے موبائل کی کالنگ ٹیون تھی۔ جو اس نے ایہا کی کال کے لیے پچھلے دنوں سلیکٹ کی تھی کہ شاید وہ اسے کبھی کال کرے۔ وہ بے اختیار اپنے کمرے کی طرف دوڑا۔ بیڈ پہ پڑے موبائل کی اسکرین روشن تھی اور وہ مخصوص کالر ٹیون بج رہی تھی۔
معیز نے جھپٹ کر موبائل اٹھایا تو "ایہا کالنگ" کے الفاظ دیکھ کر اس کا دل بے ترتیب ہوا۔
"ہیلو... ایہا؟" اس قدر بے تابی' بے قراری سے اس نے تصدیق چاہی کہ میلوں دور موبائل کان سے لگائے ایہا کا وجود سنسنا اٹھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔
"معیز... معیز..." وہ اسے پکارتے ہوئے بے اختیار روئے چلی گئی۔
"ہیلو... ہیلو۔" معیز نے یک لخت لائن منقطع ہوتی محسوس کی تو وہ بے اختیار پکارتا چلا گیا۔ مگر دوسری طرف جامد خاموشی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)